باب سوم

چہ باید کرد؟

فرض کی پکار

اگر ہم یہ پسند نہیں کرتے کہ ہماری موجود حالت جوں کی توں برقرار رہے' اور ہم پر خود اپنے وجود سے دشمنی کرنے والا ایک فرض ناشناس گروہ ہونے کا جو واقعی الزام لگ چکا ہے وہ نہ خلق کے سامنے سے دور ہو نہ خدا کے سامنے سے تو اس کی واحد تدبیر صرف یہی ہوسکتی ہے کہ ہم خود شناس بنیں' اپنا فرض یاد کریں اور پھر اس نصب العین کے ہو رہیں جس کے سوا ہمارا کوئی دوسرا نصب العین نہیں، اور نہ مسلمان ہوتے ہوئے کبھی ہوسکتا ہے۔ یہ بات نہ کسی خوش عقیدگی کی پیداوار ہے نہ ماضی پرستی کا نتیجہ' بلکہ یہ اس کتاب کا فیصلہ ہے جسے ہم انسانی کلام نہیں بلکہ الٰہی کلام مانتے ہیں۔ جس کو سچی ہدایت اور یقینی علوم کا سرچشمہ قرار دیتے ہیں اور جس کی ہر بات کو بلاچون و چرا تسلیم کرنے کا ہم نے عہد کیا ہے۔ جس وقت یہ کتاب نازل ہو رہی تھی اس وقت پچھلی آسمانی کتابوں کے پیرو (یہود و نصاریٰ) کچھ اسی قسم کے حالات سے دوچار تھے۔ جب اس نے ان کی اعتقادی گمراہیوں اور عملی خرابیوں پر تنقید کی اور ان کے بُرے انجام سے انھیں ڈرایا اور اللہ کا سچا دین پیش کر کے اس کے اتباع کی انھیں دعوت دی تو ان کی رگوں میں الٹی جاہلی حمیت بھڑک اٹھی کیونکہ انہیں غرّہ تھا کہ ہم خود آسمانی مذہب رکھنے والے ہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے لاڈلے ہیں۔ اس لیے انھیں گوارا نہ ہوسکا کہ کوئی اور ان کے سامنے ہدایت اور امامت کا علم بردار بن کر آئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جواب میں وہ جارحانہ حملوں پر اتر آئے' اور ایک طرف اسلام کی تردید و تکذیب پر' دوسری طرف اپنی عظمت و امامت پر زورِ بیان صرف کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ان کٹھ حجتیوں کے اور ان کے اس ادعا کے جواب میں فرمایا:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ط المائدہ 68:5

اے پیغمبر ان لوگوں سے کہہ دو کہ اے اہل کتاب! تم ہرگز کسی اصل پر نہیں ہو جب تک کہ تم قائم نہ کر لو تورات اور انجیل کو اور اس چیز کو جو تمھارے رب کی طرف سے تم پر اتری ہے۔

یعنی تم اپنی موجودہ حالت میں رہتے ہوئے ہرگز اس امر کے مستحق نہیں ہو کہ دلیل و برہان کے ساتھ حق کے بارے میں کلام کر سکو۔ تم نے وہ بنیاد ہی کھود کر پھینک رکھی ہے جس پر تمھارے وجود ملی کی عمارت کھڑی تھی۔ اس معاملے میں تم بحث و جدال کے حقدار اسی وقت ہو سکتے ہو جب تم ان ہدایات پر کاربند ہو جاؤ اور اپنی زندگیوں کو ان تمام احکام کا پابند بنا دو جو سلطانِ حقیقی کی جانب سے تم پر مختلف وقتوں میں نازل ہوتے رہے ہیں۔ تم نے کتاب الٰہی کے جن حصوں کو اپنی دنیائے عمل سے خارج کر رکھا ہے ان کو از سر نو نافذ کر لو۔ جن صداقتوں کا تمھیں علم دیا گیا تھا ان کی حفاظت اور برملا اشاعت کا بھولا ہوا فریضہ یاد کر لو۔ اور تمھاری زندگی کا جو مقصد ٹھیرایا گیا تھا اسے پھر اپنا لو۔

اب غور کیجیے اسی فیصلۂ قرآنی کی روشنی میں خود اپنے معاملے پر امتِ مسلمہ کے اتباعِ حق کی عملی حالت بھی جب یہی ہے کہ کتاب الٰہی کا ایک حصہ صرف برکت و تلاوت کے لیے رہ گیا ہے اور اس سے اس کا کوئی عملی تعلق باقی نہیں رہا ہے تو انصاف کیا کہتا ہے؟ کیا اس کے سوا کچھ اور کہ اسے بھی لستم علی شئی کا سزاوار ٹھیرایا جائے؟ اور جب تک وہ ''قرآن کی اقامت'' نہ کرے اس وقت تک اسے شھدآء حق اور خیر امۃ ہونے کے اعزاز کا حقدار نہ سمجھا جائے؟ یقیناً نہیں، اور بلاشبہ یہ اس کی ایک طرح کی دھاندلی ہوگی اگر وہ اس اعزاز کے تمغے کو اس حالت میں بھی اپنے سینے پر آویزاں کیے رہے۔ اس لیے اگر وہ اپنے منصب اور اعزاز کی حقدار بننا چاہتی ہے تو اس کی متعین اور قطعی تدبیر صرف یہ ہے کہ وہ اپنے فرض کا بارگراں پھر سے اپنے کاندھوں پر اٹھالے اور دنیا کے ہر کام، ہر ہنگامے، ہر مشغولیت اور ہر دلچسپی سے منہ موڑ کر اپنی نظریں اسی ایک کام پر جمالے۔ یہ اس کے منصب اور اس کے مقصد وجود کا مطالبہ ہے۔ اس کے ملی تشخص کی بحالی کی اس کے سوا کوئی

تدبیر ہی نہیں کہ وہ اس مطالبے کے آگے سر جھکا دے۔

ملی نجات کی شاہراہ

اسی طرح اس امت کے لیے دنیوی عزت واقبال کی بازیافت کی راہ بھی اس کے سوا کوئی دوسری نہیں، جس کا ناقابلِ انکار ثبوت قرآن مجید کا وہ ارشاد ہے جو اس نے ذلت و مسکنت کے مارے ہوئے بنی اسرائیل کے بارے میں فرمایا تھا:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ○ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ط المائدہ5:66-65

اگر یہ اہل کتاب ایمان رکھتے اور خداترسی کی راہ چلتے تو ہم ان کی برائیاں ان سے دور کر دیتے اور نعمت کے باغوں میں انھیں داخل کرتے، اور اگر وہ توراۃ اور انجیل کو اور ان ہدایتوں کو جو ان کے رب کی طرف سے انھیں پہنچی ہیں قائم کرتے تو اپنے اوپر سے بھی رزق بٹورتے اور اپنے قدموں کے نیچے سے بھی۔

یہ تھی وہ تدبیر جس کے ذریعے امت اسرائیل کو اس کا کھویا ہوا اقبال واپس مل سکتا تھا۔ اس ارشاد قرآنی کی روشنی میں امت مسلمہ کا معاملہ بھی کچھ مشکل نہیں رہ جاتا، مرض کی یکسانی چاہتی ہے کہ علاج بھی ایک ہی ہو۔ ہلاکت و نامرادی جس راہ سے اہل کتاب کے یہاں آئی تھی آپ دیکھ چکے ہیں کہ اہل قرآن کے پاس بھی اسی راہ سے آئی ہے، اس لیے کھلی بات ہے کہ اس سے نجات بھی اسی طریقے سے مل سکتی تھی جس کی اہل کتاب کو تلقین کی گئی تھی۔ قرآن کہتا ہے اور ظاہر ہے کہ اسی کا کہنا ایک مومن کے لیے حرف آخر کا حکم رکھتا ہے کہ اہل کتاب نے خداوندی احکام و ہدایات کے کچھ حصوں کو چھوڑ دیا اور بھلا رکھا تھا۔ جس کے نتیجے میں رحمتِ الٰہی ان سے روٹھ گئی اور غضب خداوندی ان پر ٹوٹ پڑا۔ جس سے نجات کی واحد تدبیر صرف یہ تھی کہ ان احکام و ہدایات پر وہ پھر سے عمل کرنے لگتے۔ اب اگر کسی کے دل و دماغ قرآن حکیم کی ''زبان'' سمجھنے کی صلاحیتوں سے بالکل محروم نہیں

ہو چکے ہیں تو اس کے لیے اس پیغام کا سمجھ لینا ذرا بھی دشوار نہیں جس کی طرف وہ اپنے اس ارشاد میں صاف طور سے انگلی اٹھا کر اشارہ کر رہا ہے۔ چنانچہ جس کسی کو اللہ تعالیٰ نے ہوشمندی اور عبرت کے کان دیے ہیں وہ قرآن کے انھی لفظوں میں سے یہ آواز بھی سن سکتا ہے کہ:

اگر قرآن کے پیرو ایمان رکھتے اور خدا ترسی کی راہ چلتے تو ہم ان کی برائیاں ان سے دور کر دیتے اور نعمت کے باغوں میں انھیں داخل کرتے اور اگر وہ قرآن کو قائم کرتے تو اپنے اوپر سے بھی رزق بٹورتے اور اپنے قدموں کے نیچے سے بھی۔

نیز یہ کہ:

اے اہل قرآن! تم ہرگز کسی اصل پر نہیں ہو جب تک کہ قرآن کو قائم نہ کرو۔

غرض ''اقامتِ قرآن'' دوسرے لفظوں میں اقامت دین ہی وہ واحد نسخۂ شفا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے پہلے ہی سے تجویز فرما دیا تھا اور یہ بتا دیا تھا کہ یہی وہ چیز ہے جس پر تمھاری اخروی سعادت کا بھی انحصار ہے اور تمھاری دنیوی فلاح کا بھی۔ تم کو جب بھی ان چیزوں کی تلاش ہو اس کے لیے راستہ یہی اختیار کرنا' باقی ہر طرف سراب ہی سراب ہو گا جہاں ٹھوکریں کھانے کے سوا تمھارے کچھ ہاتھ نہ لگ سکے گا۔ یعنی قرآن ہمیں پھر اسی مقام پر واپس جانے کا حکم دے رہا ہے جہاں سے ہم ہٹ آئے ہیں۔ حضرت امام مالکؒ نے یہ پیش گوئی نہیں کی تھی اور نہ اپنے کسی کشف کا اظہار کیا تھا جب فرمایا تھا کہ:

لن یصلح آخر ھذہ الامۃ الا بما صلح بہ اوّلھا۔

یہ امت اپنے آخری دور میں بھی بہرحال اسی چیز سے خیر و صلاح پا سکے گی جس سے اس نے اپنے ابتدائی دور میں پائی تھی۔

بلکہ یہ ایک روشن حقیقت تھی جس کا ان کی مومنانہ بصیرت نے پورے تیقن سے ادراک کیا اور جس کے سوا کسی صاحب ایمان کے ذہن میں کوئی دوسری بات آ ہی نہیں سکتی۔ جہاں تک ''صلاح دین'' کا تعلق ہے اس کے لیے تو اتباع دین کے سوا اور کوئی ذریعہ تصور

ہی میں نہیں آسکتا۔ کھلی بات ہے کہ دینی سدھار دین ہی کے اپنانے سے ہوسکتا ہے، رہ گئی امت کی ''دنیوی صلاح''، تو یہ بھی اس کے شہادت حق کے منصب پر فائز جماعت ہونے کے باعث اسی دین سے وابستہ ہے۔ کیونکہ اسے جو عروج واقبال بھی بخشا گیا تھا وہ سب اسی نصب العین سے وفاداری کا صلہ تھا اور اس سے اللہ تعالیٰ نے فتح ونصرت کے جتنے وعدے کیے تھے وہ سب اسی اقامتِ دین کی شرط سے مشروط تھے۔ چنانچہ جب مسلمانوں کو یہ بشارت دی گئی کہ تم ہی سربلند ہوگے اور تمہارے مقابلے میں تمھارے دشمنوں کا انجام محکومیت ہوگا (انتم الاعلون) تو اسی کے ساتھ (ان کنتم مومنین) کی شرط بھی لگادی تھی۔ ظاہر ہے یہ مشروط وعدہ کوئی خصوصی اور وقتی وعدہ نہیں تھا بلکہ ایک ابدی اور اصولی وعدہ تھا۔ احادیث سے تو یہاں تک معلوم ہوتا ہے کہ خود اس امت کے اندر بھی خاص طور پر وہی گروہ اس کے اعزاز واقبال کا نمائندہ اور علم بردار ہوگا جو اقامت دین کے فریضے کو پورا کررہا ہوگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اِنَّ هٰذَا الْاَمْرَ فِیْ قُرَیْشٍ لَایُعَادِیْهِمْ اَحَدٌ اِلاَّ کَبَّهُ اللهُ عَلٰی وَجْهِهٖ مَا اَقَامُوا الدِّیْنَ ۔ (بخاری بحوالہ مشکوٰۃ)

بلاشبہ یہ خلافت اس وقت تک قریش ہی میں رہے گی جب تک وہ دین کو قائم رکھنے کا فریضہ ادا کرتے رہیں گے، جو کوئی بھی ان سے عداوت کرے گا اللہ اس کو اوندھا گرادے گا۔

پچھلی بحثوں کا خلاصہ

اب تک کی تمام بحثوں سے چند اصولی نکتے نکھر کر سامنے آجاتے ہیں:

ایک یہ کہ اس امت کا مقصد وجود اور نصب العین اللہ کے دین کی اقامت تھا اور ہے۔

دوسرا یہ کہ اس فریضے کو انجام دینے میں اللہ تعالیٰ کی غیبی اعانتیں اس کے شامل حال رہتی ہیں اور دراصل یہی غیبی اعانتیں تھیں جن کے طفیل وہ مثالی عزت واقبال سے سرفراز ہوئی تھی۔

تیسرا یہ کہ اس امت کے عروج وزوال کا اصل انحصار طبعی قوانین اور مادی اسباب و تدابیر پر نہیں ہے بلکہ اخلاقی قانون پر ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ اس کا عروج اپنے

اس فریضے کے بجالانے پر موقوف ہے جس کے لیے وہ مبعوث کی گئی ہے اور موقوف بھی، اس طرح کہ اگر اس نے اس فریضے سے پہلو تہی کی تو دوسری قوموں کی بہ نسبت وہ اللہ تعالیٰ کے دربار سے دوگنی سزا کی مستحق ہوگی۔

چوتھا یہ کہ اس امت کے موجودہ حالات اس بات پر صاف دلالت کرتے ہیں کہ اس نے کتاب اللہ کے ایک بڑے حصے کو عملاً چھوڑ رکھا ہے اور اقامتِ دین کے فریضے سے غافل ہوگئی ہے۔

پانچواں یہ کہ قرآنی فیصلے کی رو سے اس امت کے لیے فلاح ونجات کا راستہ ہر طرف سے بند ہے ماسوا اس ایک راستے کے کہ وہ اپنے فریضۂ حیات کو پہچان لے اور اللہ کے دین کو از سرنو قائم کردینے میں تن من دھن سے لگ جائے۔ ورنہ اگر اس نے اس راہ کے سوا کوئی اور راہ اختیار کرنے کی کوشش کی تو اس کی تمام تدبیریں اور کوششیں نہ صرف یہ کہ ضائع جائیں گی، بلکہ وہ اسے اس کے اپنے مقام سے اور دور پھینک دیں گی۔ اور رہا سہا ملی وقار و اقبال بھی چھین لیں گی۔ وہ دوسری قوموں کے مقابلے میں دین کا سررشتہ چھوڑ کر کبھی آگے نہیں بڑھ سکتی اور اگر بظاہر کوئی سربلندی اس کو مل بھی گئی تو وہ غیروں کا عطیہ ہوگی جس کا وجود بھی غیروں کے رحم وکرم پر ہوگا اور یہ بجائے خود ایک بڑی ذلت ہے۔

☆......☆......☆......☆......☆